Fikr-o-Nasar (Islamabad) 12:10-11 (1975)

شانِ عدل واحسان

احمد حسن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عالمِ انسانیت ظلم وجور، قتل وغارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا۔ عرب معاشرہ میں وہ ساری برائیاں موجود تھیں، جو ایک بگڑے ہوئے معاشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ آپؐ سے پہلے توراۃ اور انجیل کے احکام موجود تھے، لیکن ان میں اعتدال نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ احکام ایک مخصوص قوم کے مزاج کے مطابق بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ان میں یا انتہائی سختی تھی یا انتہائی نرمی۔ موسوی اور عیسوی شریعتوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہود کے لئے جو قوانین دیئے گئے تھے وہ عدل پر مبنی تھے۔ عفوودرگزر، رحم واحسان کی وہاں گنجائش نہ تھی۔ اس کے برخلاف شریعتِ عیسوی کی بنیاد رفق واحسان، روحانیت اور خالص اخلاق پر تھی۔ قانون کی سخت دارو گیر وہاں نظر نہیں آتی۔ لیکن کسی معاشرہ میں توازن قائم کرنے کے لئے عدل واحسان، قانون واخلاق اور انتقام وعفو کے امتزاج کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کوئی معتدل معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔

زیرِ نظر مقالہ میں ہم مختصراً یہ بتلائیں گے کہ موسوی اور عیسوی شریعتوں میں جو یک طرفہ احکام تھے، ان کی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت لے کر تشریف لائے جس میں قانون اور اخلاق کا حسین امتزاج تھا۔

قانون فوجداری میں توراۃ کا اصول عادلانہ انتقام ہے، جس کی بنیاد "برائی کے بدلہ برائی" پر ہے۔

"اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے اور جو کوئی کسی چوپائے کو مار ڈالے وہ اس کا معاوضہ جان کے بدلے جان دے۔ اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کو عیب دار بنا دے تو جیسے اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور دانت کے بدلے دانت۔ جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔"

(احبار ۲۴ : ۱۷، خروج ۲۱ : ۱۲)

اس کے برعکس انجیل سراسر اخلاق اور حکیمانہ وعظ ہے۔ اسی مسئلہ میں انجیل کا حکم ملاحظہ ہو:

"تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغا بھی اسے پہنا دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا...... تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبّت رکھ، اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبّت رکھو، اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو۔" (متی ۵ : ۳۸-۴۵)

انجیل کی اس روحانی تعلیم اور اخلاقی وعظ کا یہ اثر ہوا کہ عیسائیت میں خانقاہی نظام وجود میں آیا۔ رہبانیت نے جنم لیا۔ اور قانون کے سلسلہ میں کلیسا کو جب انجیل سے کوئی مدد نہ مل سکی تو پاپائیت کا آغاز ہوا۔

اس کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر تشریف لائے وہ کسی قوم، علاقہ یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ وہ ایک عالمگیر پیغام تھا۔ اس لئے فطری طور پر اس میں وُہ ساری خوبیاں ناگزیر تھیں جو رہتی دُنیا تک انسانوں کے لئے ہر زمان و مکان میں باعث ہدایت بن سکیں۔ آپؐ کے لائے ہوئے احکام میں اعتدال تھا۔ یہودیت و عیسائیت کی طرح وہ یک طرفہ نہ تھے۔ آپؐ نے دنیا کے سامنے ایسا ضابطہ حیات پیش کیا جس کی اساس فطرت پر تھی۔

معاشرہ میں استحکام پیدا کرنے کے لئے عدل وانتقام، سزا و دار و گیر ضروری ہیں۔ اس کے بغیر جرائم کا انسداد نہیں ہو سکتا۔ معاشرہ کو اجتماعی برائیوں سے پاک رکھنے کے لئے قانون وعدل نہایت

ضروری ہیں۔ عدل کے بغیر جس کی بنیاد قانون پر ہوتی ہے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اسلام نے ایسے جرائم میں حد مقرر کی جن کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ جیسے چوری، زنا، قتل، لوٹ مار، شراب نوشی وغیرہ۔ اور انتقام و سزا کا حق صرف ان لوگوں کو دیا جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو۔ تاہم عدل و قانون کے نفاذ سے جرائم کا انسداد ضرور ہو جاتا ہے، اور معاشرہ برائیوں سے پاک رہتا ہے۔ لیکن اس سے دل میں برائی سے نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ روح میں بالیدگی، اخلاق میں بلندی، اور نفس میں تزکیہ صرف عدل کی تعلیم سے نہیں ہوتا۔ قانون کے ساتھ اخلاقی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف جرم کی سزا اور انتقام کی سختی سے تاکید فرمائی، دوسری طرف آپس کے معاملات میں جن کا تعلق انفرادی زندگی سے تھا، عفو و درگزر کی تعلیم دے کر معاشرہ میں جماعت و افراد دونوں کو استحکام بخشا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے اپنے قصاص کے حکم میں قانون اور اخلاق دونوں کی رعایت کی ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی، الحر بالحر، والعبد بالعبد، والانثی بالانثی، فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان۔ (البقرۃ: ۱۷۸)	اے ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو۔ آزاد کے بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت، جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو پسندیدہ طریقہ سے اس کی پیروی کرنا ہے، اور بھلائی کے ساتھ اسے ادا کرنا ہے۔

اسی طرح قصاص کے بارے میں توراۃ کا قانون عدل بیان کرنے کے بعد قرآن مجید اپنی امتیازی شان کے ساتھ عفو و درگذر کی ترغیب دیتا ہے:

فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔ (المائدۃ: ۴۵)	لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا۔

یہ مثالیں تو جرم و سزا سے متعلق تھیں۔ جامعیت کا یہ اصول تمام احکام میں کارفرما

ہے۔ سودی کاروبار کے متعلق ایک مثال ملاحظہ ہو:

وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۔ وان کان ذوعسرة فنظرة الی میسرة ، وان تصدقوا خیرلکم ان کنتم تعلمون ۔ (البقرة: ۲۷۹-۲۸۰)

اگر تم توبہ کرلو گے تو تمہیں اصلی رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔ اگر وہ (قرض لینے والا) تنگ دست ہو تو اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو۔ اور اگر زر قرض بخش دو، وہ تمہارے لئے بہتر ہے، بشرطیکہ تم سمجھو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں عدل و احسان کی اس جامعیت کی طرف قرآن مجید نے خود بھی اشارہ کیا ہے:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ، ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی، اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں یہی بہتر ہے۔

اجرائے قانون اور اقامت عدل میں قرآن مجید کسی رو رعایت کا قائل نہیں:

ولا تاخذکم بھما رأفة فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر۔ (النور: ۲)

اور خدا کے دین کے معاملہ میں ہرگز تمہیں ان پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

احادیث میں عدل و انصاف کی مثالیں ہمیں بکثرت ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قانون الٰہی کے نفاذ میں کتنی سختی فرماتے تھے، ایک حدیث میں ہے:

عن عائشة ان اسامة کلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امرأة ، فقال: انما ھلک من کان قبلکم ، انھم کانوا یقیمون الحد علی الوضیع ویترکون الشریف

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت اسامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کے بارے میں (جس نے چوری کی تھی) سفارش کی، اس پر آپ نے فرمایا: تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ وہ معمولی آدمی پر تو حد قائم کرتے لیکن

والذی نفسی بیدہ لوان فاطمہ فعلت ذلک لقطعت یدھا۔ (البخاری : کتاب الحدود)	بڑے آدمی کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر (محمدؐ کی بیٹی فاطمہ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

حضرت عائشہ رضؓ سے ہی ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ خدا کی قسم آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ جب خدا کے احکام کی نافرمانی ہوتی، اُس وقت صرف اللہ کے لئے آپ انتقامی کارروائی کرتے۔ (بخاری۔ کتاب الحدود)

لیکن جب آپؐ کے پاس کوئی معاملہ پہنچ جاتا تو اس کے بعد پھر کوئی رعایت نہ فرماتے، اور قانون کو نافذ کرتے۔ اسی لئے آپؐ نے حکم فرمایا تھا:

تعافوا الحدود بینکم، فما بلغنی من حد فقد وجب۔ (ابوداؤد۔ کتاب الحدود)	آپس میں ایسے گناہوں کو معاف کر دیا کرو جن سے حد لازم آتی ہے، لیکن مجھ تک جو واقعہ پہنچے گا تو سزا ضروری دی جائے گی۔

قرآن مجید کے احکام میں عدل و انصاف کی روح پورے طور پر کارفرما ہے۔ مخالفین اور اعدائے اسلام کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (المائدہ: ۸)	کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو، انصاف کرو۔ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

عدل و انصاف کی انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ کفار کے معبودانِ باطل کو بھی بُرا نہ کہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ نادانستہ طور پر خدا کو بُرا کہہ بیٹھیں۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم (الانعام: ۱۰۸)	اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو بُرا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ یہ بھی خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے بُرا کہہ بیٹھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی عدل و احسان کی آئینہ دار تھی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ

ارشاد خداوندی ان اللہ یامر بالعدل والاحسان پر عمل پیرا تھے۔ ارتکاب زنا پر آپ نے حضرت ماعز اور غامدیہ کو سنگسار کرایا۔ چوری کرنے پر بعض لوگوں کے ہاتھ کاٹے۔ واقعہ افک میں ملوث صحابہ پر حد قذف جاری کی۔ شراب پینے پر آپ نے سزائیں دیں۔ سیرت طیبہ کا یہ عدل کا پہلو تھا۔ لیکن آپ کے احسان وعفوو درگزر کا پہلو اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ کفار ومشرکین نے آپ کو کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچائیں۔ لیکن آپؐ نے ہمیشہ عفوو درگزر سے کام لیا۔ تبلیغ ودعوت کے لیے طائف کے لوگوں نے آپ کے ساتھ جو بدسلوکی کی، آپ پر پتھراؤ کیا جس سے آپ لہولہان ہوگئے۔ اس کے جواب میں آپؐ نے دعا فرمائی۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ وہ سمجھتے نہیں۔ ایک سفر میں کسی کافر نے آپؐ کو تنہا دیکھ کر آپ پر تلوار کھینچ لی اور پوچھا کہ بتلاؤ کہ تمہیں کون بچائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ۔ یہ سن کر اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ تلوار اٹھا کر آپؐ نے فرمایا کہ اب تجھے کون بچائے گا۔ جب وہ شرمندہ ہوا تو آپؐ نے اس کو معاف فرمادیا۔ یہ چند مثالیں آپؐ کی حیات طیبہ میں عدل واحسان کی جامعیت بتلانے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا، اس لئے احسان ورحم کا پہلو آپؐ کی سیرت طیبہ میں کچھ غالب ہی تھا۔ احسان کے بارے میں آپؐ کی تعلیم ملاحظہ ہو۔

صل من قطعک، واعف عمن ظلمک، واحسن الی من اساء الیک۔	جو تم سے رشتہ توڑے، اس سے رشتہ جوڑو اور جو تم پر ظلم کرے، اس کو معاف کرو، اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ احسان کرو۔

سیرت پاک میں عدل واحسان کی جامعیت کے اس پہلو پر علامہ سید سلیمان ندوی نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں: اسلامی قوانین کو پیش نظر رکھ کر مخالفین نے اکثر کہا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم میں اخلاقی روح نہیں لیکن اگر وہ قانون محمدی کے ساتھ ساتھ اخلاق محمدی کو بھی سامنے رکھتے تو ان کو یہ شبہ پیش نہ آتا۔ (سیرۃ النبی جلد ۶۔ ص ۹۵ نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص ۳۰ — ۱۵ سم)